مومن کا نماز میں خشوع اختیار کرنا فوزِ مَرام کیلئے پہلی حرکت ہے

خدا کی خشیت سے رونے والا شخص جہنم میں داخل نہیں ہو سکتا

(خطبہ جمعہ فرمودہ 19 اکتوبر 1998ء بمقام بیت الفضل لندن)

تشہد و تعوذ اور سورۃ فاتحہ کی تلاوت کے بعد حضور انورؒ نے درج ذیل آیات کریمہ کی تلاوت کی:

اِنَّ الَّذِيْنَ هُمْ مِّنْ خَشْيَةِ رَبِّهِمْ مُّشْفِقُوْنَ ﴿۵۸﴾ وَ الَّذِيْنَ هُمْ بِاٰيٰتِ رَبِّهِمْ يُؤْمِنُوْنَ ﴿۵۹﴾ وَ الَّذِيْنَ هُمْ بِرَبِّهِمْ لَا يُشْرِكُوْنَ ﴿۶۰﴾ وَ الَّذِيْنَ يُؤْتُوْنَ مَآ اٰتَوْا وَّ قُلُوْبُهُمْ وَجِلَةٌ اَنَّهُمْ اِلٰى رَبِّهِمْ رٰجِعُوْنَ ﴿۶۱﴾ اُولٰٓئِكَ يُسٰرِعُوْنَ فِى الْخَيْرٰتِ وَ هُمْ لَهَا سٰبِقُوْنَ ﴿۶۲﴾ (المومنون:58 تا 62)

پھر فرمایا:

ان آیات میں بھی خشوع و خضوع اور خشیت کا مضمون ہی چل رہا ہے جو اس سلسلۂ خطبات کی ایک کڑی ہے اور آج کے خطبہ کے لئے بھی میں نے اسی مضمون کو جاری رکھا ہے جب تک اللہ کی مرضی ہے یہی چلتا رہے گا۔ جن آیات کی تلاوت کی گئی ہے ان کا با محاورہ ترجمہ پہلے میں آپ کے سامنے رکھتا ہوں۔

یقیناً وہ لوگ ایسے ہیں کہ اپنے ربّ کے خوف سے وہ کانپتے ہیں یعنی ربّ کا خوف طاری ہو تو ان کے بدن پر لرزہ طاری ہو جاتا ہے۔ وَ الَّذِيْنَ هُمْ بِاٰيٰتِ رَبِّهِمْ يُؤْمِنُوْنَ: اور وہ لوگ جو اپنے ربّ کے نشانات پر ایمان لاتے ہیں۔ آیات پر تو ایمان لاتے ہی ہیں لیکن آیات کا ایک معنی نشانات ہیں

اور مضمون یہ ہے کہ اپنے ربّ کی خشیت سے، اس کے نشانات دیکھ کر ان کے بدن پہ لرزہ طاری ہوتا ہے۔ جب بھی وہ کوئی نشانات دیکھتے ہیں جو ان کے گرد و پیش اللہ تعالیٰ کے فضل سے ظاہر ہوتے رہتے ہیں تو اس کے نتیجہ میں ان کے بدن لرز اٹھتے ہیں۔ وَ الَّذِیۡنَ ہُمۡ بِرَبِّہِمۡ لَا یُشۡرِکُوۡنَ: یہ انہی نشانات کا فیض ہے کہ وہ شرک کر ہی نہیں سکتے۔ ان کے لئے ناممکن ہے کہ خدا کے سوا کسی اور کی طرف ان نشانات کو منسوب کر دیں۔ وَ الَّذِیۡنَ یُؤۡتُوۡنَ مَاۤ اٰتَوۡا وَّ قُلُوۡبُہُمۡ وَجِلَۃٌ اَنَّہُمۡ اِلٰی رَبِّہِمۡ رٰجِعُوۡنَ: یہاں اس آیت میں یہ نہیں فرمایا گیا کہ وہ دیتے ہیں جو ان کو عطا کیا جاتا ہے اور نہ کسی مال کا ذکر ہے بلکہ یہ عجیب ایک دلکش طرز بیان ہے کہ فرمایا وہ لوگ یُؤۡتُوۡنَ مَاۤ اٰتَوۡا وہ دیتے ہیں جو وہ دیتے ہیں یعنی خدا کی خشیت سے جو بھی وقت کی ضرورت ہو وہ اس میں سے خرچ کر دیتے ہیں یعنی دماغ، دل، تمام وہ قوتیں جو ان کو عطا کی گئیں، وہ علوم جو ان کو بخشے گئے۔ جو بھی اس وقت ضرورت کے مطابق مناسب حال ہو وہ دے دیتے ہیں۔ وَ قُلُوۡبُہُمۡ وَجِلَۃٌ اَنَّہُمۡ اِلٰی رَبِّہِمۡ رٰجِعُوۡنَ: اور اس حال میں دیتے ہیں کہ ان کے دل خوف سے کانپ رہے ہوتے ہیں کہ وہ اپنے ربّ کے حضور لوٹ کے جانے والے ہیں۔ اُولٰٓئِکَ یُسٰرِعُوۡنَ فِی الۡخَیۡرٰتِ: یہی وہ لوگ ہیں جو خیرات میں تیزی سے آگے بڑھتے ہیں، نیک کاموں میں بہت تیزی سے آگے بڑھنے والے ہیں۔ وَ ہُمۡ لَہَا سٰبِقُوۡنَ: اور وہ اس میں سبقت لے جانے والے لوگ ہیں یعنی نیکیوں میں سبقت لے جانے والے۔

اسی تعلق میں یعنی خشیت اور خضوع کے مضمون میں مَیں نے ایک حدیث شروع کی تھی جو مسلم کِتَابُ الزَّکَاۃِ بَابُ فَضْلِ إِخْفَاءِ الصَّدَقَۃِ سے لی گئی ہے۔ اس حدیث میں جو باتیں بیان ہوئی تھیں ان میں سے کچھ باتیں بیان ہوگئی تھیں اور کچھ باقی رہتی تھیں تو ایک بات تو بیان ہو چکی تھی باقی پانچ باتیں ایسی ہیں جن کے متعلق میں تفصیل سے روشنی نہیں ڈال سکا وہ یہ ہیں۔ پوری حدیث یہ ہے، حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ بیان کرتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

”جس دن اللہ کے سائے کے سوا کوئی سایہ نہیں ہوگا اس دن اللہ سات آدمیوں کو اپنے سایۂ رحمت میں جگہ دے گا۔ اوّل امام عادل۔“

یہ امام عادل تک میں نے پچھلے ایک خطبہ میں مضمون بیان کر دیا تھا اس کے بعد جو چھ دوسرے ایسے خوش نصیب ہیں جن کو جب کوئی سایہ نہیں ہوگا تو اللہ کا سایہ نصیب ہوگا، وہ یہ ہیں۔

’’دوسرے وہ نوجوان جس نے اللہ کی عبادت کرتے ہوئے جوانی بسر کی۔‘‘

وہ نوجوان جس نے اللہ کی عبادت کرتے ہوئے جوانی بسر کی، عموماً بڑھاپے میں تو عبادت کی توفیق اکثر لوگوں کو یا کئی لوگوں کو مل ہی جاتی ہے جوانی میں اگر عبادت کی توفیق ملے تو یہ اللہ تعالیٰ کے فضل کے ساتھ ایک امتیاز ہے۔ پس وہ شخص جس کی جوانی عبادت میں کٹی ہو اللہ اس پر محبت کی نگاہیں ڈالتا ہے اور جس دن کوئی اور سایہ نہ ہو اس کی یہی نیکی اللہ کے سائے کے طور پر اس کے سر پر تان دی جائے گی یعنی نیکی سایہ بن جائے گی۔

’’تیسرے وہ آدمی جس کا دل مسجدوں کے ساتھ لگا ہوا ہے۔‘‘

خواہ وہ بچہ ہے جوان ہے یا بوڑھا ہے اس کا دل ہر وقت مسجد میں اٹکا رہتا ہے کہ کب نماز کا وقت ہوگا اور میں وہاں پہنچوں گا اور کوئی دُنیا کا خیال اسے مسجدوں سے غافل نہیں رکھتا یا دُنیا کے کاموں کی مشغولیت اسے مسجد سے الگ نہیں کرتی یعنی مجبوراً الگ ہو بھی جائے تو دل اٹکا رہتا ہے۔ اس لئے یہ نہیں فرمایا کہ پانچوں نمازیں مسجد میں پڑھتا ہے یہ فرمایا کہ دل اس کا وہیں اٹکا رہتا ہے۔ نہ بھی پڑھ سکے تو یہ خیال گزرے گا کہ اب فلاں وقت ہو گیا ہے نماز کا اگر مجھے توفیق ہوتی تو میں مسجد میں جا کر نماز پڑھتا۔

’’چوتھے وہ دو آدمی جو اللہ کی خاطر ایک دوسرے سے محبت کرتے ہیں اسی پر وہ متحد ہوئے اور اسی کی خاطر وہ ایک دوسرے سے الگ ہوئے۔‘‘

یعنی جن کے آپس میں ملنے جلنے کا مقصد سوائے اللہ کی محبت کے اور کوئی مقصد نہیں ہے۔ ان کی دوستی کا صرف اللہ ہی مرکز ہے۔ اللہ کی خاطر وہ ایک دوسرے کے دوست ہیں۔ جب ملتے ہیں تو اللہ ہی کی باتیں کرتے ہیں، جب جدا ہوتے ہیں تو اللہ ہی کی باتیں کرتے ہوئے جدا ہوتے ہیں۔ یہاں یہ خاص قابل توجہ بات ہے کہ ایک دوسرے سے اسی محبت کی بناء پر جدا بھی ہوتے ہیں یعنی اللہ کی محبت کا تقاضا جہاں یہ ہو کہ اب تم الگ الگ ہو جاؤ تو پھر وہ الگ الگ ہو جاتے ہیں۔ بعض صوفی منش لوگ بعض دفعہ ساری ساری رات آپس میں مجلس لگائے رکھتے ہیں اور گھر میں بیوی کا خیال ہی نہیں اور وہ سمجھتے ہیں کہ یہ بہت بڑی عبادت ہے۔ تو آنحضور ﷺ نے ان تمام باتوں کی باریکیوں سے ہمیں آگاہ فرمایا ہے۔ اللہ کی خاطر ملنے کا ہرگز یہ مطلب نہیں کہ جب اللہ کی محبت تقاضا کرے کہ جدا ہو جاؤ

تو جدا نہ ہوں۔ اگر جدائی کے وقت جدا نہ ہو تو ملنے کا جو عذر تھا کہ اللہ کی خاطر ملے ہیں وہ بھی جھوٹا ہے۔ جو اللہ کی خاطر ملتا ہے وہ اللہ کی خاطر جدا بھی ہو جاتا ہے۔

”پانچویں وہ پاکباز مرد جس کو خوبصورت اور بااقتدار عورت نے بدی کے لئے بلایا لیکن اس نے کہا میں اللہ سے ڈرتا ہوں۔“

یہاں حضرت یوسف علیہ الصلوٰۃ والسلام کی طرف اشارہ معلوم ہوتا ہے جن کی ساری زندگی ایک پاک بازی کا نمونہ تھی اور بالخصوص وقت کی ایک بہت خوبصورت عورت کے ذریعہ آپؑ آزمائے گئے تھے اور اس سے بچنے کی وجہ سوائے اللہ کے خوف کے اور کوئی نہ تھی اور اسی لئے ساتھ بااقتدار بھی فرمایا۔ بااقتدار فرمانے میں ایک تو حضرت یوسفؑ کے واقعہ کی طرف اشارہ واضح ہو جاتا ہے کیونکہ وہ عزیز مصر کی بیوی تھی اور اسے اقتدار نصیب تھا۔ پس اقتدار کہنے میں ایک اور حکمت یہ ہے کہ ویسے کوئی خوبصورت عورت ہو اس سے انسان عام حالات میں خدا کی خاطر بچ سکتا ہے مگر اگر اسے اقتدار بھی ہو اور یہ ڈر ہو کہ وہ بچنے کے نتیجے میں سزا بھی دلوا سکتی ہے جیسا کہ حضرت یوسفؑ کے معاملہ میں ہوا کہ اس بااقتدار عورت نے آخر ان کو سزا دلوا کے چھوڑی اور یہ واقعہ جیسا کہ میں نے بیان کیا ہے حضرت یوسف علیہ السلام کی طرف اشارہ کرتے ہوئے عام اس بات کا بھی اشارہ کر رہا ہے کہ اگر کوئی شخص کسی صاحب اقتدار سے بھی بچ کے رہے تو یہ حقیقی پاکیزگی ہے۔

”چھٹے وہ شخص، وہ سخی انسان جس نے پوشیدہ طور پر اللہ کی راہ میں صدقہ دیا کہ اس کے بائیں ہاتھ کو بھی خبر نہ ہوئی کہ اس کے دائیں ہاتھ نے کیا خرچ کیا۔“

اب یہ محاورہ ہے ورنہ یہ تو ممکن نہیں ہے کہ ایک انسان اپنے دائیں ہاتھ سے کچھ دے رہا ہو اور بائیں کو پتا نہ ہو۔ بائیں کو تو پتا لگتا ہی ہے۔ یہ تو ایک اندرونی ایسا مواصلاتی نظام اللہ نے قائم فرمایا ہوا ہے کہ پاؤں کی انگلی بھی ہلے تو سارے بدن کو علم ہوتا ہے کہ پاؤں کی انگلی ہلی ہے۔ یہ مواصلاتی نظام جو اندرونی مواصلاتی نظام ہے یہ ناکام ہو جائے یا بیمار ہو جائے تو پھر نہیں پتا چلتا۔ تو یہاں تو کسی بیماری کا ذکر نہیں ہے ایک تعریف کا کلمہ ہے۔ دائیں ہاتھ سے خرچ کرے تو بائیں ہاتھ کو علم نہ ہو اس میں محاورہ کے علاوہ بھی کچھ معنی مخفی ہیں۔ دایاں ہاتھ اگر آنکھیں رکھتا تو بائیں ہاتھ کو دیکھ نہیں سکتا، بایاں ہاتھ اگر آنکھیں رکھتا تو دائیں ہاتھ کو دیکھ نہیں سکتا۔ تو یہ نہ دیکھ سکنے کا مضمون اندھیرے کی طرف اشارہ کر رہا

ہے اور واقعۃً آنحضور صلی اللہ علیہ وعلیٰ آلہٖ وسلم کے صحابہؓ کا یہ حال تھا جس حال کے متعلق احادیث بوضاحت روشنی ڈال رہی ہیں کہ بعض دفعہ وہ رات کو صدقہ وخیرات کے لئے نکلتے تھے اور اس اندھیرے کے نتیجہ میں وہ لوگوں سے چھپتے تھے تو بائیں ہاتھ سے مراد یہاں دوسرے لوگ بھی ہو سکتے ہیں جن سے وہ چھپ کر صدقہ وخیرات کیا کرتے تھے، اور اندھیرا ایسا ہوتا تھا کہ یہ بھی نہیں پتا چلتا تھا کہ کس کو دے رہے ہیں۔ چنانچہ صبح کے وقت لطیفہ کے طور پر یہ بات مشہور ہو جاتی تھی کہ ایک شخص نے ایک امیر آدمی کو رات کو کچھ پکڑا دیا۔ اب لطف کی بات یہ ہے کہ اگر اُس کو پکڑایا تھا تو اس کو چاہئے تھا کہ انکار کر دیتا کہ میں تو امیر آدمی ہوں، کھاتا پیتا ہوں اور میں یہ قبول نہیں کروں گا لیکن اِس میں دوسری خوبی یہ بیان ہوئی ہے کہ وہ شکریہ لینے کی خاطر ٹھہرتے نہیں تھے اور تیزی سے نکل جایا کرتے تھے اور چونکہ اندھیرا ہوتا تھا اس لئے ان کا پیچھا کرنا بھی ممکن نہیں ہوا کرتا تھا اور اندھیرے میں پتا بھی نہیں چلتا کہ کیا پکڑایا گیا ہے۔ وہ دیکھنے والا جب تک دیکھتا کہ یہ کیا چیز مجھے دے دی گئی ہے اس وقت تک وہ نظروں سے غائب ہو جایا کرتا تھا۔ تو یہ مضمون ہے جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وعلیٰ آلہٖ وسلم نے اس پہلو سے بیان فرمایا ہے کہ اس کے بائیں ہاتھ کو بھی خبر نہ ہوئی کہ اس کے دائیں ہاتھ نے کیا خرچ کیا۔

''ساتویں وہ مخلص جس نے خلوت میں اللہ تعالیٰ کو یاد کیا اور اس کی محبت کی بناء پر اس کی آنکھوں سے آنسو جاری ہو گئے۔''

(صحیح مسلم، کتاب الزکاۃ، باب فضل اخفاء الصدقۃ، حدیث نمبر: 2380)

لوگوں کے سامنے تو آنسو جاری ہو بھی جایا کرتے ہیں مگر جب انسان بالکل تنہا ہو، کوئی بھی نہ ہو اس وقت اگر خدا کی محبت میں آنسو بہیں تو وہ آنسو سب سے زیادہ پیارے آنسو ہیں کیونکہ خدا کے سوا اُنہیں کوئی دیکھنے والا نہیں۔

ایک اور حدیث نبوی صلی اللہ علیہ وعلیٰ آلہٖ وسلم میں مذکور ہے جو ترمذی کِتَابُ فَضَائِلِ الْجِهَادِ سے لی گئی ہے۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ بیان کرتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وعلیٰ آلہٖ وسلم نے فرمایا:

''خدا کی خشیت سے رونے والا شخص جہنم میں داخل نہیں ہو سکتا یہاں تک کہ دودھ واپس تھنوں میں لوٹ جائے۔''

اب اس مثال میں کیا تصویر کشی فرمائی گئی ہے۔ دودھ جو ماں کا دودھ بچے کی چیخ و پکار پر اس کی خاطر تھنوں سے نکل جاتا ہے اس کی واپسی ممکن نہیں ہوا کرتی۔ تو اللہ کی رحمت کا دودھ ہے وہ جب اترتا ہے تو واپس نہیں ہوا کرتا اور چونکہ بچہ کے رونے اور چلانے پر دودھ اترا کرتا ہے اس لئے اس انسان کے آنسوؤں پر جو محض اللہ کی خاطر رویا ہے اللہ کی رحمت کا دودھ اترتا ہے۔ پس مثال دی کہ اگر تم نے کبھی دیکھا ہو کہ ماؤں کے تھنوں میں دودھ واپس چلا گیا ہے تو پھر یہ وہم کر سکتے ہو کہ اللہ کی رحمت جو اتر چکی ہو اپنے پیارے پر وہ اس کی طرف واپس لوٹ جائے، یہ نہیں ہو سکتا۔ پھر فرمایا:

''اسی طرح خدا تعالیٰ کی راہ میں اڑایا جانے والا غبار اور جہنم کا دھواں جمع نہیں ہو سکتے۔''

(سنن الترمذی، کتاب فضائل الجهاد، باب ما جاء فی فضل الغبار فی سبیل اللہ، حدیث نمبر: 1633)

وہ غزوہ میں شامل جیالوں کے دستے جو آنحضرت ﷺ کے پیچھے پیچھے دشمن پر جھپٹا کرتے تھے تو ان کے گھوڑوں کے سموں سے غبار اڑا کرتی تھی اس غبار میں چھپتے تھے یعنی الگ چھپنے کی جگہ نہیں تھی مگر اس تیزی سے جھپٹتے تھے کہ غبار بھی ساتھ ساتھ اڑتی چلی جاتی تھی اور دشمن کو صرف ایک غبار دکھائی دیتی تھی یہاں تک کہ وہ اس کے دستوں میں داخل ہو جایا کرتے تھے۔ یہ قرآن کریم میں بھی ایک سورۃ میں بڑی وضاحت سے بیان ہوا ہے فرمایا وہ غبار اور جہنم کا دھواں جمع نہیں ہو سکتے۔ جہنم کا دھواں بھی ایک غبار ہی تو ہے جس میں ایک چیز چھپ جاتی ہے تو فرمایا یہ دو اکٹھے نہیں ہو سکتے۔

پس اس غبار کا ایک منظر تو ہم نے بھی گزشتہ زمانوں میں ربوہ میں دیکھا ہوا ہے۔ بعض دفعہ اتنی خشک سردی پڑا کرتی تھی کہ غبار ایک معمولی سی پاؤں کی دھمک سے بھی اڑتی تھی اور جلسے کے دنوں میں مجھے یاد ہے نزلہ، زکام، کھانسی تو اس غبار سے ہو ہی جایا کرتا تھا مگر کپڑے گندے ہو گئے اور چہرے پہ غبار پڑ گئی۔ کسی نے حضرت مصلح موعودؓ سے شکایت کی کہ گرد و غبار کی وجہ سے یہ حال ہو جاتا ہے تو حضرت مصلح موعودؓ نے فرمایا مبارک ہو۔ یہ غبار جو تمہارے چہروں پر پڑتی ہے اور کپڑوں کو میلا کرتی ہے یہ تمہیں جہنم سے بچنے کی خوشخبری دے رہی ہے۔ یہ بھی وہ غبار ہے جس غبار کے ساتھ جہنم کا دھواں اکٹھا نہیں ہوگا۔ تو اللہ تعالیٰ کے فضل کے ساتھ یہ غبار اور جہنم کا دھواں جمع نہ ہو سکنے کا مضمون ایک رنگ میں ہمارے زمانہ میں بھی دوہرایا گیا ہے اور ہم دیکھتے رہے ہیں اس کو۔

ایک اور حدیث اسی تعلق میں مسلم کِتَابُ الْإِيمَانَ بَابُ الْإِسْلَامِ مَا هُوَ وَبَيَانُ خِصَالِهِ سے لی گئی ہے۔ مطلب یہ ہے کہ ایک ایسا باب ہے جس میں الاسلام اور اس کا بیان اور اس کی خصلتوں کا بیان ہے۔

''ایک سوال کرنے والے نے عرض کیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم احسان کیا ہے؟ فرمایا یہ ہے کہ تو اللہ کی خشیت اختیار کرے گویا کہ تو اسے دیکھ رہا ہے اور اگر تو اسے نہیں دیکھ رہا تو وہ تجھے ضرور دیکھ رہا ہے۔''

(مسلم کِتَابُ الْإِيمَانَ بَابُ الْإِسْلَامِ مَا هُوَ وَبَيَانُ خِصَالِهِ ، حدیث نمبر:99)

یہ مضمون احسان کا قرآن کریم میں بھی بکثرت بیان ہوا ہے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اسے مختلف پہلوؤں سے بیان فرمایا ہے۔ یہاں خشیت کے تعلق میں یہ بیان ہے کہ گویا تو اسے دیکھ رہا ہے۔ انسان اگر اپنے آپ کو بھی دیکھ رہا ہو اور پھر یہ محسوس کرے کہ خدا کو دیکھ رہا ہے تو اس سے خشیت پیدا ہوتی ہے ورنہ اپنا سب کچھ چھپائے پھرتا ہے اور اگر وہ یہ سمجھے کہ خدا دیکھ رہا ہے تو بعض دفعہ دعویٰ بھی کرتا ہے کہ اللہ گواہ ہے میں تو ٹھیک ٹھاک ہوں۔ اللہ دیکھتا ہے کہ مجھ میں تو کوئی بھی خرابی نہیں۔ تو ایسے شخص کے دل میں خشیت کیسے پیدا ہوسکتی ہے۔ چنانچہ بارہا مجھے اس کا تجربہ ہوا ہے جب میں کسی سے پوچھتا ہوں کہ دیکھو تم نے یہ حرکت کی ہے تو کہتے ہیں آپ کو کیسے پتا خدا گواہ ہے، اللہ جانتا ہے میرے دل میں تو یہ بات نہیں اور قرآن کریم ایسے لوگوں کی بکثرت مثالیں بیان فرماتا ہے کہ جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور صحابہؓ ان کی غلطیوں کی طرف اشارہ کرتے تھے تو قسمیں کھایا کرتے تھے اللہ کی قسمیں کھا کر یہ کہتے تھے کہ ہرگز یہ بات نہیں تھی ہم تو بڑے نیک ارادے رکھتے تھے اور آپ لوگوں نے غلط سمجھ لیا ہے۔ پس اللہ کے حلف اٹھانے سے، اللہ کی قسمیں کھانے سے یہ یقین نہیں ہوسکتا کہ وہ شخص خدا کو دیکھ رہا ہے اس حال میں کہ اس کے دل پر خشیت طاری ہو۔ ایک ہی شرط ہے جو میں نے بیان کی ہے کہ وہ اپنے آپ کو بھی دیکھ رہا ہو اور جو اپنے آپ کو دیکھ رہا ہو اس کے دماغ میں تکبر کا کیڑا ابھی نہیں پڑ سکتا۔ اگر کوئی بری حرکت کرتے ہوئے یا چوری کرتے ہوئے دیکھ لے کہ کوئی اسے دیکھ رہا ہے تو اس شخص کے رعب سے جتنا بھی وہ رعب ہے اس کے دل میں خشیت طاری ہوگی لیکن کوئی دیکھ رہا ہو اور پتا نہ لگے کہ کوئی کیا کر رہا ہے مجال ہے جو کسی قسم کی خشیت اس پر طاری ہو۔

پس یہ مضمون اس پہلو سے غور سے سمجھنے کے لائق ہے کہ احسان کی ایک تعریف یہ فرمائی گئی ہے کہ ایک شخص اللہ کو دیکھ رہا ہو، گویا دیکھ رہا ہو کہ وہ اپنے نفس کو بھی دیکھ رہا ہو اور جانتا ہو کہ اس حالت میں جب بھی اللہ کی نظر پڑی میں پکڑا گیا اس کے نتیجہ میں جسم پہ لرزہ طاری ہو جائے گا۔ پس لرزہ طاری کرنے کا مضمون کوئی اتفاقی نہیں ہے اس کی جڑیں گہرے مطالب میں ہیں۔ چنانچہ فرمایا اور اگر تو اسے نہیں دیکھ رہا۔ بسا اوقات ایک انسان کسی کو نہیں دیکھ رہا ہوتا مگر کوئی غیب میں اسے دیکھ رہا ہوتا ہے اس سے بھی ڈرتا ہے۔ آج کل انگلستان میں مختلف جو سٹور ہیں، بڑی بڑی دکانیں ہیں ان پہ ایسے کیمرے لگ گئے ہیں کہ ایک انسان دیکھ نہیں سکتا کہ کون اسے دیکھ رہا ہے مگر غائب آنکھیں اسے دیکھ رہی ہوتی ہیں۔ پس اگر دکاندار کو آنکھوں کے سامنے دیکھے تو اس کے سامنے تو چوری کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا لیکن اس وجہ سے بھی وہ بچتا ہے کہ دیکھ رہا ہے کہ کوئی اسے دیکھ رہا ہے۔ کون ہے؟ وہ نہیں جانتا، غائب میں ہے۔ پس یہ مفہوم ہے، دوسرا احسان کا کہ یہ خیال رکھے کہ اللہ کی نظر اس پر ہر حال میں رہتی ہے۔ وہ ظاہری طور پر یا باطنی طور پر اسے دکھائی نہ بھی دے تو یہ احساس ضرور ہے کہ وہ اسے ضرور دیکھ رہا ہے اور اس دیکھنے پر صرف کامل اور سچے متقی کو ہی جرأت ہو سکتی ہے کہ وہ کہے سُبْحَانَ مَنْ يَّرَانِي پاک ہے وہ جو ہر حال میں مجھے دیکھ رہا ہے۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ بالا رادہ اس نے کبھی کوئی بھی خدا کی نافرمانی کا قدم نہیں اٹھایا، نہ خدا کی نافرمانی کی باتیں سوچیں اور اس کامل یقین کے ساتھ وہ کہہ رہا ہے سُبْحَانَ مَنْ يَّرَانِي پاک ہے میرا اللہ، پاک ہے وہ ذات جو ہر حال میں مجھے دیکھ رہی ہے۔ اور دیکھنے کا مفہوم جیسا کہ میں پہلے بھی بیان کر چکا ہوں یہاں محبت اور پیار اور حفاظت کی نظر ڈالنا بھی ہے۔ تو پاک ہے وہ ذات جو ہر حال میں مجھ پر حفاظت کی نظر ڈالتی ہے، مجھے کمزوریوں سے بچاتی ہے، مجھے دشمنوں سے نجات دیتی ہے اور دشمنوں سے میری حفاظت فرماتی ہے۔ تو فرمایا اور اگر تو اسے نہیں دیکھ رہا تو وہ تجھے ضرور دیکھ رہا ہے یہ وہ شخص ہے جو احسان کرنے والا ہے۔

عمار بن یاسر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے بارہ میں ایک لمبی روایت ہے جس میں انہوں نے ایک دعا کا ذکر کیا ہے جس کا تعلق اس مضمون سے ہے۔ یہ مسند احمد بن حنبل سے لی گئی ہے وہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اُس دعا کا اس حدیث میں ذکر کرتے ہیں جو یہ تھی:

”اَللّٰهُمَّ ... أَسْأَلُكَ خَشْيَتَكَ فِي الْغَيْبِ وَالشَّهَادَةِ۔“

(مسند احمد بن حنبل، مسند المکثرین من الصحابة، حدیث عمار بن یاسر ، حدیث نمبر:18325)

اے میرے اللہ! میں تیری خشیت طلب کرتا ہوں غیب میں بھی اور شہادۃ میں بھی ۔ اِس نے اُس مضمون کو بہت وضاحت سے بیان فرما دیا جو میں نے ابھی آپ کے سامنے رکھا ہے اور یہ حدیث اسی مضمون کو قوت بخش رہی ہے۔ اور ایک زائد بات اس میں یہ ہے کہ اس بات کی دعا بھی تو کیا کرو ورنہ بغیر دعا کے از خود تمہیں یہ برکت نصیب نہیں ہوسکتی ، یہ سعادت نصیب نہیں ہوسکتی کہ تم جب دیکھو خشیت محسوس کرو۔ تو اللہ سے یہ دعا کیا کرو کہ جب تو دکھائی نہیں بھی دے رہا ہوتا میں جانتا ہوں کہ تو غیب میں ہے اور ہر حال میں انسان خدا تعالیٰ کو شعوری طور پر محسوس نہیں کرتا کہ وہ موجود ہے۔ اگر ایسا ہو تو اس کی زندگی سوائے ان اولیاء کے جو خدا کے ساتھ رہنے اور ہمہ وقت رہنے کے عادی ہوتے ہیں، عام انسان کی زندگی کٹھن ہو جائے۔ بعض بچے جب بڑے ہوتے ہیں تو ماؤں سے کہتے ہیں ہمارے ساتھ نہ پھرو، باپوں سے کہتے ہیں ہر وقت نہ ہمارے ساتھ رہا کرو کچھ تو ہمیں آزادی کے سانس لینے دو، ہم الگ ہو کے بھی جی کے دیکھیں۔ تو پیاروں کے ساتھ رہنا بھی ایک حد تک اچھا لگتا ہے پھر برا لگنے لگ جاتا ہے تو اس لئے خدا کے ساتھ رہنے کا جو مضمون ہے اس پر یہ حدیث روشنی ڈال رہی ہے کہ اللہ تعالیٰ سے دعا کیا کرو کہ اپنا غیب میں بھی ساتھ عطا فرمائے تو ایسا ساتھ عطا فرمائے کہ اس کے نتیجہ میں خشیت پیدا ہو یعنی بے حیائی نہ ہو۔ چنانچہ قرآن کریم کی ایک اور آیت ایسے گناہ کا ذکر کرتی ہے جو جنب اللہ میں کیا گیا۔ ہر وقت اللہ ساتھ رہتا ہے مگر جسارت ہے اس کے باوجود بھی گویا اُس کے پہلو میں چل رہا ہے اور گناہوں کی جسارت کر رہا ہے۔ تو فرمایا کہ غیب میں بھی خشیت عطا فرما اور شہادۃ میں بھی۔ جب ہم سمجھیں کہ تُو پاس نہیں ہے اس وقت تیری خشیت ضرور نصیب ہو اور جب جانتے ہوں کہ تو ہمیشہ ہمارے ساتھ رہتا ہے تب بھی تیری خشیت نصیب ہو۔ تو اس دعا پر اس حدیث کے مضمون کی تان ٹوٹتی ہے یعنی اس سے اوپر پھر اور کوئی مضمون بیان نہیں ہوسکتا کہ انسان اپنی کمزوریوں پر نظر ڈالتے ہوئے اللہ ہی سے التجا کرے کہ وہ اسے یہ توفیق عطا فرمائے۔ اگر اللہ کی توفیق عطا نہ ہو تو کچھ بھی حاصل نہیں ہوسکتا۔

اب ایک مضمون خشیت کا علم کے ساتھ تعلق رکھتا ہے اور اس مضمون پر ابی الدرداء کی ایک روایت ہے جو ترمذی كِتَابُ الْعِلْمِ، بَابُ مَا جَاءَ فِي ذَهَابِ الْعِلْمِ میں دی گئی ہے۔ حضرت ابی الدرداء رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ:

''ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ تھے کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنی نگاہ آسمان کی طرف اٹھاتے ہوئے فرمایا، ایسی گھڑی بھی آنے والی ہے جس میں علم لوگوں سے چھین لیا جائے گا۔''

ایک ایسی گھڑی آئے گی کہ لوگوں سے علم چھین لیا جائے گا۔ اب اگر اللہ علم چھین لے تو پھر کیا باقی رہ جاتا ہے۔ کسی انسان کا اختیار کیا ہے کہ وہ اس علم کو زبردستی چمٹے رہے۔ تو جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے یہ فرمایا تو ساتھ فرمایا:

''وہ اس میں سے کسی بات پر بھی قدرت نہیں رکھیں گے۔''

یعنی علم کے کسی پہلو پر بھی ان کو مقدرت نہیں ہوگی۔ یہ ایک بڑی تعجب والی بات تھی کہ ایسی گھڑی کیسے آسکتی ہے کہ اللہ علم کو چھین لے جب کہ لوگ علم کو چمٹنا چاہیں اور علم کی حفاظت کرنا چاہیں۔ یہ ایک خیال زیادؓ بن لبید انصاری کے دل میں گزرا تو انہوں نے عرض کی:

''ہم سے علم کیسے چھین لیا جائے گا جب کہ ہم نے قرآن پڑھا ہے اور ہم ضرور اسے پڑھتے رہیں گے اور اپنے بیوی بچوں کو بھی ضرور پڑھائیں گے۔ اس پر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: اے زیاد! تیری ماں تجھے گم کردے۔ میں تو تجھے مدینہ کے فقہاء میں سے سمجھا کرتا تھا۔''

زیاد کے متعلق یہ بیان ان کی علمی شان اور تفقّہ کو بھی ظاہر فرما رہا ہے اور یہ بھی کہہ رہا ہے کہ تم اس بات کو نہیں پاسکے جو میں نے بیان کی ہے۔ کتنے تعجب کی بات ہے اگر تم بھی نہیں سمجھو گے تو پھر باقی لوگ کیسے سمجھیں گے۔ ایک آدمی جو بہت فقیہہ ہو اور بہت سمجھدار ہو وہ نہ سمجھے تو کہتے ہیں لو جی تم بھی نہیں سمجھتے تو پھر اور کیا سمجھیں گے۔ تو اس رنگ میں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا اور ماں گم کردے کا مطلب یہ نہیں ہے کہ کوئی بددعا ہے۔ یہ عرب محاورہ تھا کہ تیری ماں تجھے کھودے یعنی ماں جب کھودے تو اسے بہت تکلیف پہنچتی ہے تو شاید اس محاورہ کا یہ مطلب ہو کہ تم ایسی بات کررہے ہو کہ تمہارے پیاروں کو اس سے تکلیف ہورہی ہے تو ایسی باتیں نہ کیا کرو کہ تم سے محبت کرنے والے محسوس کریں گویا انہوں نے تمہیں گم کردیا ہے۔ بہرحال اس پر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

''اے زیاد! تیری ماں تجھے کھودے میں تو تجھے مدینہ کے فقہاء میں شمار کرتا تھا۔ (اور آگے مثال کیسی عمدہ دی ہے) دیکھو یہ تورات اور انجیل یہود و نصاریٰ کے پاس ہیں۔''

وہ اس کا درس بھی دیتے ہیں، وہ پڑھتے بھی ہیں ۔ بڑے بڑے مدارس جاری ہیں، بڑے بڑے فقہاء ان مدارس میں تقریریں کرتے ہیں۔

”مگر ان کو کیا فائدہ دیتی ہیں، کچھ بھی نہیں۔“

تو آنحضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جو دوسری احادیث میں مثال بیان فرمائی ہے کہ میری اُمت پر بھی وہ وقت آجائے گا جیسا یہود کی اُمت پر اور نصاریٰ کی امت پر مجھ سے پہلے آیا تھا اسی کا اشارہ فرما رہے ہیں۔ کیا چیز تھی جو ان کے دل میں نہیں رہی تھی خوفِ خدا۔ جب خوف اٹھ جائے گا، خشیت جاتی رہے گی تو علم کی بھرمار ہو، طومار لگے ہوں وہ کچھ بھی اس قوم کو فائدہ نہیں پہنچا سکتے جن کے دلوں سے خوف خدا اُٹھ چکا ہو۔ جبیر کہتے ہیں:

”میں عبادہ بن صامت رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے ملا اور کہا کہ تم نے سنا ہے کہ تیرا بھائی ابوالدرداء کیا کہہ رہا ہے۔ پھر میں نے ابوالدرداء کی یہ ساری روایت عبادہ بن صامت کو بتائی۔ عبادہ نے کہا ابوالدرداء نے سچ کہا ہے اگر تو پسند کرے تو میں تجھے وہ پہلا علم بتا دیتا ہوں جو لوگوں سے چھین لیا گیا یا چھین لیا جائے گا۔ (اگر تم چاہتے ہو کہ معلوم کر لو وہ علم کیا ہے جو چھین لیا جائے گا۔ فرمایا:) وہ خشوع ہے۔“

اللہ کے حضور خشیت کے ساتھ جھک جانا، اس کے آگے خاک پہ بچھ جانا یہ وہ علم ہے جو قرآن کریم کی رو سے علم کہلاتا ہے۔ پھر کہتے ہیں:

”وہ وقت آتا ہے کہ تُو ایک جماعت کی مسجد میں داخل ہوگا تو اس میں ایک شخص بھی خشوع کرنے والا نہ پائے گا۔“

(ترمذی کِتَابُ الْعِلْمِ، بَابُ مَا جَاءَ فِی ذَهَابِ الْعِلْمِ ،حدیث نمبر:2653)

یہ وہ مضمون ہے جس کا قرآن کریم کی اس آیت میں ذکر ہے **اِنَّمَا یَخْشَی اللّٰهَ مِنْ عِبَادِهِ الْعُلَمٰٓؤُا** (الفاطر:29) کہ اللہ سے تو صرف اور صرف اس کے بندوں میں سے علماء ڈرتے ہیں۔ تو جو ڈرتے نہیں ہیں وہ علماء نہیں ہیں۔ علم نہیں چھینا گیا وہ خوف چھینا گیا جو علم کی روح ہے۔ کیسے لطیف انداز میں آنحضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے قرآن کریم کی اس آیت کی تفسیر فرمائی۔ ورنہ اب غیر علماء بھی ڈرتے ہوئے دکھائی دیتے ہیں مگر فرمایا علم ہے ہی خشوع کا دوسرا نام۔ جسے علم ہو اس کے دونوں پہلو ہونے

لازم ہیں۔ اللہ کا بھی علم ہو اور اپنی ذات کا بھی علم ہو۔ یہ دنیاوی علماء مراد نہیں ہیں جنہوں نے عربی گرامریں پڑھی ہوں یا قرآن کریم کو مجلسوں میں پڑھا ہوا ہو، ان سے یہ علم عطا نہیں ہوا کرتا۔ اللہ کے نزدیک علماء وہ ہیں جو ظاہری علوم نہ رکھنے کے باوجود باطنی طور پر سب سے بڑے عالم ہوں۔ اس پہلو سے آنحضرت ﷺ پر غور کر لو۔ آنحضور ﷺ نے کن مجلسوں میں تعلیم پائی تھی، کہاں مختلف زبانوں کے علوم حاصل کئے تھے، کہاں سائنس پڑھی تھی، کہاں دُنیا کے عجائبات پر غور کیا، ان کو دیکھا، کچھ بھی نہیں۔ اُمّی تھے اور دُنیا کے سب علماء سے بڑھ کر عالم اس لئے کہ اللہ کی خشیت تھی دل میں اور خشیت کے نتیجہ میں صرف خدا کا خوف اور اپنے نفس کی معرفت ہی حاصل نہیں ہوتی بلکہ اس کے نتیجہ میں پھر اللہ تعالیٰ وہ علوم عطا فرمایا کرتا ہے جو ہر زنگ اور بدی سے پاک ہوتے ہیں۔ اس لئے واقعۃً آنحضرت ﷺ سب عالموں سے بڑھ کر عالم تھے۔ نہ آپ ﷺ سے پہلے کوئی ایسا عالم گزرا، نہ آئندہ کبھی قیامت تک ایسا عالم پیدا ہو سکتا ہے۔ چنانچہ قرآن کریم کو پڑھ کر غور سے دیکھ لیں اس کثرت سے علوم کا بیان ہے جو پہلے گزر گئے تھے، جو بعد میں آنے والے تھے قیامت تک آنے والے علوم کا اور قیامت کے بعد ظاہر ہونے والے علوم کا، ازل کا علم ہے جو قرآن کریم میں ہے اور یہ کتاب آنحضرت ﷺ پر اتاری گئی کیونکہ اس آیت کا صحیح، کامل اطلاق آپ ﷺ کی ذات پر ہوتا تھا کہ اِنَّمَا يَخْشَى اللّٰهَ مِنْ عِبَادِهِ الْعُلَمٰٓؤُا کہ اللہ سے تو صرف وہی ڈرتے ہیں جو اللہ کے نزدیک علماء ہوں اور علم کا دوسرا نام خشیت الٰہی ہے۔

اب میں حضرت اقدس مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے اقتباسات کے حوالے سے اس مضمون کو آگے بڑھاتا ہوں۔ پہلے اقتباس میں افلح کے وہ معنی بیان ہوئے ہیں جن کی طرف عام طور پر لوگوں کا دھیان نہیں جاتا کیونکہ افلح کا مطلب یہ نظر آتا ہے جس نے نجات حاصل کر لی۔ یہ لازم ہے اور اگر متعدی کے معنوں میں لیا جائے تو جس نے نجات دے دی لیکن حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے جو معنی لغت کے حوالہ سے بیان فرمائے ہیں وہ اس سے کچھ مختلف ہیں۔ فرمایا:

”اَفْلَحَ کے لغت میں یہ معنے ہیں کہ اُصِيْرَ اِلَى الْفَلَاحِ۔ (کہ وہ فلاح کی طرف پھیر دیا گیا)“

اب یہ معنی بالعموم علماء کے ذہن میں آتے ہی نہیں۔ کہ یہ تو ایک لازم کا صیغہ ہے متعدی کا بھی ہوسکتا ہے مگر مجہول نہیں مگر اَفْلَحَ کے معنی مجہولیت کے لحاظ سے بھی لئے گئے ہیں اور اہل لغت اس کی تصدیق کرتے ہیں۔ پس اَفْلَحَ کا مطلب ہے ایسے مومن نجات پا گئے جن کے دل اللہ نے پھیر دئے، جن کے دلوں کو اللہ نے نجات کی خاطر تبدیل فرما دیا۔ تو اللہ ہی ہے جو دلوں میں خوف خدا پیدا فرماتا ہے اور اللہ ہی دلوں کو نجات کی خاطر، نجات کے لئے پھیرتا ہے۔ یہ ایک نیا مضمون ہے جو حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ضمیمہ براہین احمدیہ میں بیان فرمایا۔ فرماتے ہیں:

''اُصِیْرَ اِلَی الْفَلَاحِ یعنی فوزِ مرام کی طرف پھیرا گیا۔ (فلاح بھی وہ کہ اس سے بڑھ کر، اس سے اعلیٰ نجات کا تصور ممکن نہیں) پھیرا گیا اور حرکت دیا گیا۔''

اب کیسا خوبصورت کلام ہے۔ صرف پھیرا ہی نہیں گیا اس کی طرف بڑھنے کے لئے تحریک بھی کر دی گئی ورنہ ایک انسان ایک اچھی چیز کو دیکھتا ہے بعض دفعہ پسند بھی کرتا ہے مگر اس کی طرف جاتا نہیں اور بندھن ہیں جو اس کو روک دیتے ہیں۔ تو حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے الفاظ بہت ہی لطیف، عارفانہ کلام پر مشتمل ہوتے ہیں۔ آپؑ فرماتے ہیں: ''فوزِ مرام کی طرف پھیرا گیا اور حرکت دیا گیا۔'' یہ حرکت اللہ کے فیض کے سوا انسان کو مل ہی نہیں سکتی۔

''پس ان معنوں کی رو سے مومن کا نماز میں خشوع اختیار کرنا فوزِ مرام کے لئے پہلی حرکت ہے۔''

اب حرکت کی خشوع کے ذریعہ تعریف فرمادی کیونکہ خشوع کے وقت انسان کا دل لرز رہا ہوتا ہے۔ وہ دل ساکت اور جامد نہیں رہتا اس میں ایک ہنگامہ سا برپا ہو جاتا ہے اور جتنے بھی عوامل ہیں دُنیا میں وہ حرکت کے بغیر ممکن نہیں۔ فزکس کی اصطلاح میں اسے کہتے ہیں ایٹم یا مالیکیول کی ایکسائیٹڈ سٹیٹ۔ جب تک ایکسائٹمنٹ نہ ہو ان کے اندر جو شعوری طور پر محسوس نہیں کرتے مگر اللہ تعالیٰ نے ان کو ایک قسم کا شعور بھی عطا کیا ہوا ہے جو اندرونی ہے جسے ہم سمجھ نہیں سکتے۔ وہ ایکسائیٹ ہو جاتے ہیں۔ جب ایکسائیٹ ہوتے ہیں تو پھر وہ دوسرے مادوں کے ساتھ ری ایکٹ کرتے ہیں، ان کے ساتھ مل کر تیسری چیز بناتے ہیں۔ تو حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے محاوروں میں اگرچہ بظاہر سائنٹیفک اصطلاحیں استعمال نہیں ہوئیں مگر بعینہٖ سائنٹیفک اصطلاحیں استعمال ہو رہی ہیں جس کا علم

نہ ہو وہ سوچ نہیں سکتا کہ یہاں حرکت سے کیا مراد ہے۔ ”پس ان معنوں کی رو سے مومن کا نماز میں خشوع اختیار کرنا فوزِ مرام کے لئے پہلی حرکت ہے۔“ فوزِ مرام کی خواہش تو سب کے دل میں ہے مگر خشوع کے بغیر اس کی طرف حرکت نہیں پیدا ہوتی۔ پس یہ پہلی حرکت ہے۔

”جس کے ساتھ تکبر اور عُجب وغیرہ چھوڑنا پڑتا ہے۔“

اب یہ جو حرکت ہے اسے روکنے کے لئے عُجب: اپنے نفس کی، اپنی ذات پسند، اپنی نگاہوں میں اپنی ذات کو اچھا سمجھنا اور تکبر: دوسروں کے مقابل پر اپنے آپ کو اچھا سمجھنا۔ تو دونوں پہلو جو ہیں ان کو چھوڑے بغیر یہ حرکت اس کو اجازت نہیں دے گی کہ اللہ کی طرف بڑھے۔ گویا زنجیریں ہیں پاؤں میں، رسیوں سے باندھی ہوئی چیز ہے وہ جانا چاہے بھی تو جا نہیں سکتی۔ تو فرمایا، یاد رکھو فوزِ مرام کی طرف جب حرکت نصیب ہو تو ان بندھنوں کو توڑ دیا کرو۔ اس کے بعد اگر عجب اور تکبر باقی رہا تو تم واپس اپنے پہلے حال کی طرف چلے جاؤ گے اور یہ حرکت تمہیں کچھ بھی فائدہ نہیں دے گی۔ فرمایا یہ وہ چیز ہے کہ:

”انسان کا نفس خشوع کی سیرت اختیار کر کے خدائے تعالیٰ سے تعلق پکڑنے کے لئے مستعد اور تیار ہو جاتا ہے۔“

(ضمیمہ براہین احمدیہ حصہ پنجم، روحانی خزائن جلد 21 صفحہ: 230)

اب خشوع عارضی بھی ہوا کرتا ہے، حرکت بھی پیدا ہوتی ہے مگر اگر وہ سیرت نہ بن جائے، انسان کی فطرت میں خشوع نہ پیدا ہو جائے تو وہ اس کا ساتھ چھوڑ دیا کرتا ہے۔ چنانچہ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے بعض دوسری مثالوں سے تفصیل کے ساتھ اس مضمون کو بیان فرمایا ہے کہ خشوع سے خوش نہ ہو جاؤ کہ کوئی لمحہ تمہیں خشوع کا نصیب ہوا بعید نہیں کہ تم نے اگر تکبر اور عجب سے خلاصی نہ پائی تو یہ دونوں چیزیں تمہیں واپس کھینچ کے اس جمود کی حالت کی طرف لے جائیں گی کہ پھر خدا کی طرف تمہیں حرکت نصیب نہیں ہوگی۔ ”مستعد اور تیار ہو جاتا ہے۔“ ایسے حال میں کہ وہ اس کی فطرت کا حصہ بن جاتا ہے ہر وقت تیار رہتا ہے کہ کوئی بھی بہانہ ملے تو اللہ کی طرف حرکت کر جائے۔

ملفوظات جلد اوّل میں حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کا یہ فرمان درج ہے:

”خدا تعالیٰ سے مدد مانگو اور اپنی پوری طاقت اور ہمت سے اپنی کمزوریوں کو دور کرنے کی کوشش کرو۔ جہاں عاجز آ جاؤ، وہاں صدق اور یقین سے ہاتھ اُٹھاؤ۔“

(ملفوظات جلد اوّل صفحہ: 93/ رپورٹ جلسہ سالانہ 1897 مرتبہ شیخ یعقوب علی عرفانی صاحب صفحہ: 164)

اب دیکھیں صرف دعا سے کمزوریاں دور کرنے کی کوشش کرنا بے معنی اور لغو ہے۔ جب تک انسان پوری کوشش سے، اپنی محنت سے خود برائیاں دور کرنے کے لئے جدو جہد نہ کرے۔ پس وہی لوگ سعی کرنے والے ہیں جو جہاں تک ان میں طاقت ہے وہ اپنی برائیاں دور کرنے کی کوشش کرتے رہتے ہیں۔فرمایا:''جہاں عاجز آ جاؤ۔'' اب ہر انسان جانتا ہے کہ کئی برائیاں ہیں جو اس کا پیچھا نہیں چھوڑتیں وہ بہت کوشش کرتا ہے، بہت محنت کرتا ہے کہ ان سے نجات پائے مگر ایک موقع پر جا کے عاجز آ جاتا ہے۔ کچھ پیش نہیں جاتی وہ برائی ہے کہ چھوڑتی ہی نہیں، چمٹ جاتی ہے۔فرمایا اس وقت صدق اور یقین سے ہاتھ اٹھاؤ۔ یہ جانتے ہوئے کہ تم عاجز آ گئے ہو اللہ عاجز نہیں آ سکتا۔ یہ کامل یقین ہو کہ اللہ کسی چیز سے عاجز نہیں آ سکتا۔ اُس وقت انسان جب یہ سمجھے کہ میں عاجز آ گیا تو اس کے نتیجہ میں حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام فرمار ہے ہیں کہ اس کے دل میں خشوع پیدا ہوگا اور واقعۃً ایک انسان پورے خلوص نیت سے ایک چیز سے پیچھا چھڑانے کی کوشش کر رہا ہو اور وہ پیچھا ہی نہ چھوڑ رہی ہو تو عاجز آ جاتا ہے۔اس وقت اس کے دل سے ایک بے قراری کی دعا اُٹھتی ہے اسی بے قراری کا نام خشوع ہے۔

اب ایک شخص کا ایک کتا پیچھا کر رہا ہے اور چھوڑتا ہی نہیں۔کوئی اور بلا پیچھے لگی ہوئی ہے جو اس کا پیچھا نہیں چھوڑتی، وہ مڑ مڑ کے دیکھتا بھی ہے۔کبھی چھپ جاتی ہے کبھی پھر پیچھے تو جب کچھ پیش نہ جائے پھر اس کے دل میں خشوع پیدا ہوگا، خوف بھی پیدا ہوگا اور انکساری اور عاجزی بھی پیدا ہوگی کہ کیا مصیبت میرے گلے پڑ گئی ہے۔ بیماریوں کا بھی یہی حال ہے۔بعض لوگ اپنی بیماریوں سے واقف نہیں ہوتے اس لئے ان کے دل میں خشوع نہیں پیدا ہوتا مگر بیماری اندر اندر ان کا پیچھا کرتی چلی جاتی ہے۔ چنانچہ جب وہ بیماری کو پیچھا کرتے ہوئے دیکھ لیتے ہیں اکثر اس وقت بیماری ان پر غالب آ چکی ہوتی ہے وہ وقت ہے خشوع کا، وہی وقت ہے جب وہ دعاؤں کے لئے بھی لکھتے ہیں۔ مگر حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے جو مضمون بیان فرمایا ہے اس میں بیماری سے پہلے، پہلے اس کے کہ وہ بڑھ چکی ہو اپنی طرف سے کوشش کر کے اس سے پیچھا چھڑانا بھی شامل ہے اور اگر وہ غالب آ ہی چکی ہو جب کچھ پیش نہ جائے اس وقت جو درد دل سے اٹھی ہوئی دعا ہے وہ قبول ہوگی اگر صدق اور ایمان ہو۔اب ایسے بہت سے بیمار مجھے بھی خط لکھتے ہیں کہ بہت درد دل سے دعائیں کی

ہیں بیماری پیچھا نہیں چھوڑ رہی، کچھ پیش نہیں جارہی مگر حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام سچے ہیں۔ واقعہ یہ ہے کہ اس وقت ان کو کامل یقین نہیں ہوتا وہ ہاتھ تو اٹھاتے ہیں اس خیال سے کہ اور چارہ ہی کوئی نہیں، اللہ کے سوا کوئی چارہ دکھائی ہی نہیں دے رہا ہوتا اس لئے ہاتھ تو اٹھا دیتے ہیں مگر وہ صدق اور ایمان جو دل کو یقین سے بھر دیتا ہے اور کامل یقین کے ساتھ وہ اللہ کے حضور حاضر ہوں اس کی توفیق نہیں ملتی اور یہ وجہ اچانک پیدا نہیں ہوا کرتی۔ میں نے دیکھا ہے کہ بعض لوگوں کو بغیر کسی علاج کے ایسے موقع پر اللہ تعالیٰ نے حیرت انگیز شفا بخشی جس کو ڈاکٹر بھی بطور مثال بیان کرتے ہیں اور بعض بے چارے گریہ وزاری کرتے ہوئے ہاتھوں سے نکل گئے اور ان کو کوئی شفا نصیب نہیں ہوئی دراصل ان کے پہلے مسلک پر اللہ کی نظر ہوتی ہے مگر اب چونکہ وقت ہو چکا ہے باقی اسی مضمون سے میں انشاء اللہ آئندہ باقی باتیں بیان کروں گا۔